انسانی حقوق کا مذہبی اور جدید عالمی تناظر: اقوامِ متحدہ کے منشور اور اسلامی تعلیمات میں اختلافی پہلو

(Religious and Modern Global Perspectives on Human Rights: Disagreements between the UN Charter and Islamic teachings)

*محمد عثمان خالد

**ڈاکٹر عبدالرزاق

***ڈاکٹر سمیع اللہ

Abstract

The purpose of this study is to analyze the different approaches to human rights from an Islamic and Western perspective. The horrific violation of rights during the Second World War forced world powers at the time to include the term human rights in the 1948 United Nations Charter, from which the international human rights system emerged as a universal declaration of human rights in 1948. The important difference is that the sources of human rights in Islam are divine revelation, but in the West the source of human rights is the human mind and experience. This article studies Islamic and United Nations Declaration's perspectives on Human Rights. It finds that Islamic teachings on Human rights are more beneficial for humanity than the referred declaration.

Key words: Human rights, UN Declaration, Islam

عصر حاضر بالخصوص مغرب میں انسانی حقوق پر بہت بات کی جاتی ہے۔ میگناکارٹا ،انقلاب فرانس وغیرہ کو بطور شہادت لایا جاتا ہے کہ اہل مغرب نے انسانی حقوق کے تحفظ کا قدم اٹھایا ہے۔اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو 30 دفعات پر مشتمل "انسانی حقوق کا عالمی منشور" منظور کر کے اس کا اعلان کیا۔مذکورہ

---

*پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ اسلامیات، یونی ورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

** چیئرمین، شعبہ اسلامیات، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان

***لیکچرر، شعبۂ عربی، یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

دفعات میں مختلف پیرائیوں میں بنیادی انسانی حقوق کا تعین کیا گیا ہے۔یہ دفعات معاشرتی، مذہبی اور انسانی حقوق سے متعلق ہیں ۔ان فعات کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لینے سے جہاں بہت سے مماثل پہلو سامنے آتے ہیں، وہیں پر اختلافات وتضادات بھی نمایاں ہوتے ہیں۔اس تحقیق میں اختلافی پہلوؤں کے حوالے سے ایک تقابلی بحث کی گئی ہے۔اس سلسلے میں عالمی منشور کی نواہم دفعات پر گفت گو شامل ہے۔

حقوق میں مساوات

اقوام متحدہ کے اس منشور کی رو سے تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔[1] منشور کی یہ دفعہ اس حوالے سے تو اسلامی تعلیمات کے ساتھ کوئی تضاد نہیں رکھتی کہ اس میں فطرت یا پیدائش کے اعتبار سے تمام انسانوں کو عزت وتکریم میں برابر قرار دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں بھائی چارے کی جو تعلیم دی گئی ہے اس پر بھی اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔اختلافی بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس منشور میں ضمیر اور عقل کو معیار مانتے ہوئے تمام انسانوں کو ایک ہی قطار میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ گویا کہ ایک جاہل اور بے عمل شخص ایک عالم اور باعمل شخص کے برابر عزت وتکریم کا مستحق ہے۔اس قسم کی مساوات غیر فطری مساوات ہے جو کہ دل آزاری اور دل شکنی کا باعث ہو سکتی ہے۔ اسلام میں حفظ مراتب کا خیال رکھا گیا ہے۔آں حضرت ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق برتاؤ کیا کرو۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ مکمل مساوات کا دعویٰ ایک غیر فطری دعویٰ ہے۔استاذ شاگرد سے زیادہ عزت کا مستحق ہے۔اولاد اور والدین حقوق میں برابر نہیں ہیں۔ حقوق و فرائض میں فطری تفاوت کا خیال رکھنا پورا پورا عدل ہے۔آں حضرت ﷺ نے اپنے خطبہ میں تصور مساوات کی وضاحت یوں فرمائی: یاد رکھو ! کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر سوائے تقویٰ کے اور کسی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے۔[3] آں حضرت ﷺ کے اس فرمان سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ افراد معاشرہ عزت وتکریم میں برابر نہیں ہیں بلکہ عزت وتکریم کا اصل حق دار وہ ہے جو متقی ہو۔**غلامی سے نجات** اقوام متحدہ کے منشور میں مذکور ہے کہ کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بَردہ فروشی چاہے

---

[1] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر 1۔

[2] ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی ، سنن ابی داود (بیروت، المكتبہ العصریہ، ب ت)، 4:261، **كِتَاب الْأَدَبِ، بَابٌ فِي تَنْزِيلِ النَّاسِ مَنَازِلَهُمْ**، رقم الحدیث: 4842۔

[3] صہیب عبدالجبار، الجامع الصحیح للسنن والمسانید، **الْحَجّ، سُنَن وَآدَاب تَتَعَلَّق بِالْحَجِّ، خَطْبُ الْإِمَامِ فِي الْحَجّ، الْخُطْبَةُ فِي ثَانِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ قَبْلَ النَّفْرِ الْأَوَّلِ بِمِنًى**(2014ء)، 31:421۔

اس کی کوئی شکل بھی ہو، ممنوع قرار دی جائے گی۔[4]اس دفعہ میں غلامی کی ہر صورت کو کسی بھی صورتحال میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔یہ ایک ایسا اصول ہے جس کی ہمیشہ پابندی ناممکن ہے،کیونکہ انسانی تاریخ کے کسی موڑ پر ایسی صورتحال پیدا ہونے کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے کہ جب ایک غالب قوم مغلوب قوم کے بعض افراد کو غلام بنانے پر مجبور ہو جائے اور اس کے علاوہ اس کے لیے اور کوئی بات ممکن نہ ہو۔نہ قیدیوں کا تبادلہ ،نہ فدیہ لے سکنا اور نہ ہی وہ ایسے باشندوں کو آزاد چھوڑ سکتی ہو، کیونکہ وہ غالب ریاست کے استحکام کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ اس قسم کی صورتحال میں ایسے مغلوب افراد کو غلام بنا لینے کے علاوہ کوئی اور قابل عمل صورت باقی نہیں رہتی۔اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس میں ہر امکانی صورت کا خیال رکھا گیا ہے۔چنانچہ اسلام میں ایسے مشکل حالات کا سامنا کرنے کے لیے غلامی کو جائز رکھا گیا ہے۔البتہ اسلام میں غلامی کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی بلکہ معاشرے سے غلامی کا خاتمہ کرنے کے لیے بھی کئی راہیں نکالی گئی ہیں۔علاوہ ازیں اسلام میں غلاموں کے حقوق پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کی مذمت کی گئی ہے۔آپ ﷺ نے غلاموں کو بھائی بنا سمجھنے اور کھانے، پینے، پہننے وغیرہ میں برابر رکھنے کی تاکید کی۔[5]البتہ اسلام اور غلامی کے بارے میں چونکہ بین الاقوامی سطح پر تشویش پائی جاتی ہے اس لیے اس حوالہ سے کچھ باتیں پیش کرنا ضروری ہیں: جاہلیت کے دور میں کسی کو غلام یا لونڈی بنانے کے عام طور پر تین طریقے ہوتے تھے: 1۔طاقت ور لوگ کمزور لوگوں کو زبردستی پکڑ کر بیچ دیتے تھے اور وہ غلام تصور کیے جاتے تھے، نبی ﷺ کے صحابہ کرام حضرت زید بن حارثہ اور حضرت سلمان فارسی اسی طریقہ سے غلام بنے تھے۔2۔قرضے یا تاوان کے بوجھ تلے دبا ہوا شخص قرضہ ادا نہ کر سکنے کی پوزیشن میں خود کو قرض خواہ یا تاوان وصول کرنے والے کے حوالے کر دیتا تھا اور وہ اسے فروخت کر دیتا تھا۔3۔ جنگوں میں قید ہوجانے والے افراد کو اجتماعی قید خانے میں ڈالنے کی بجائے غلام اور لونڈیاں بنا کر تقسیم کر دیا جاتا تھا اور وہ ان لوگوں کی ملکیت ہوتے تھے۔نبی ﷺ نے پہلی دونوں صورتوں کو ممنوع قرار دے دیا تھا اور اس ارشاد گرامی کے بعد مسلم معاشرہ میں اس نوعیت کی غلامی کا وجود باقی نہیں رہا تھا البتہ جنگوں میں قید ہونے والوں کی غلامی کو اسلام نے باقی رکھا لیکن قطعی حکم کے طور پر نہیں بلکہ:**فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا**۔[6]"پھر یا تو اس کے بعد احسان کرو یا تاوان لے لو یہاں تک کہ لڑائی والے اپنے ہتھیار ڈال دیں۔ "یہ

---

[4] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر4۔

[5] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری (دار طوق النجاۃ،1422ھ) 1:15،**كِتَابُ الإِيمَانِ،بَابٌ المَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الجَاهِلِيَّةِ، وَلاَ يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلَّا بِالشِّرْكِ**،رقم الحدیث:30۔

[6] محمد 47:4۔

فرما کر قرآن کریم نے جنگی قیدیوں کے بارے میں دو متبادل صورتیں بھی بیان فرمائی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام بنانا حکم نہیں بلکہ مختلف صورتوں میں بطور آپشن ایک صورت ہے، جس کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ قرآن کریم نے غلاموں کو آزاد کر دینے کی ترغیب دی ہے اور ان کے حقوق بھی متعین فرمائے ہیں اور انھیں بلا وجہ سزا دینے اور ان کی طاقت سے زیادہ کام لینے سے بھی منع فرمایا ہے۔

غیر انسانی سزا

اقوام متحدہ کے منشور میں مذکور ہے کہ کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ، انسایت سوز، یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔[7] اقوام متحدہ کے ادارے اور بین الاقوامی لابیاں اس کی تشریح یہ کرتی ہیں کہ جسمانی تشدد، ذہنی اذیت اور توہین و تذلیل والا سلوک کسی شخص کے ساتھ نہیں کیا جائے گا۔ سلوک کی حد تک یہ بات ہمارے لیے بھی قابل قبول ہے بلکہ یہ اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے اور نبی ﷺ نے بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کی ہدایت کی ہے، لیکن اس دفعہ میں "یا سزا نہیں دی جائے گی" کہہ کر سزاؤں کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے، جس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بھی جرم میں دی جانے والی سزا کو جسمانی تشدد، ذہنی اذیت اور توہین و تذلیل سے خالی ہونا چاہیے اور جس سزا میں ان میں سے کوئی بات پائی جاتی ہے ، وہ انسانی حقوق کے منافی تصور ہوگی۔معاشرتی جرائم کی اسلامی سزاؤں کو اسی وجہ سے انسانی حقوق کے منافی قرار دیا جاتا ہے کہ ان میں قتل کرنے، سنگسار کرنے، ہاتھ پاؤں کاٹنے، قصاص میں جسمانی اعضا قطع کرنے، کوڑے مارنے اور کھلے بندوں لوگوں کے سامنے سزا دینے کی صورتیں موجود ہیں، قرآن و سنت کی بیان کردہ ان سزاؤں کو نہ صرف انسانی حقوق کے منافی کہا جاتا ہے بلکہ نعوذ باللہ وحشیانہ، ظالمانہ اور غیر انسانی سزاؤں سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔اس سلسے میں اسلامی مؤقف کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ سزائیں قرآن کریم نے از سر نو طے نہیں کیں بلکہ یہ ساری سزائیں تورات کی بیان کردہ سزائیں ہیں جو آج بھی دنیا میں پڑھی جانے والی بائبل میں اسی طرح موجود ہیں۔ آج سعودی عرب میں جرائم کی شرح کم بیان کی جاتی ہے حتیٰ کہ حرمین شریفین میں مختلف رنگوں، نسلوں اور ثقافتوں کے لوگ ہر وقت جمع رہنے کے باوجود جرائم کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کی وجہ حرمین شریفین کے تقدس کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کے عدالتی نظام کی وہ سخت سزائیں بھی ہیں جو اسلام کی شرعی سزائیں ہیں۔

خواتین کے حقوق

اقوام متحدہ کے منشور میں مذکور ہے کہ بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ

[7] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر 5۔

کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔[8] مذکورہ دفعہ میں شادی میں عورت کی رضامندی کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ اسلام میں عورت کے حقِ نکاح سے مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ کیونکہ اسلام میں بھی عورت کی رضامندی کو نکاح کی لازمی شرط کی حیثیت دی گئی ہے ۔اقوام متحدہ کے عالمی منشور کا خواتین کو حقوق دلانے میں تو اسلامی نقطۂ نظر سے اتفاق نظر آتا ہے، مگر جب حقوق کی تفصیل کی بات کی جائے تو اس میں کئی مقامات پر تضاد نظر آتا ہے۔ جیسے عورتوں کو نکاح کرنے میں مکمل آزادی حاصل ہے۔ جب عورت اپنی مرضی سے کسی شخص سے نکاح کر لے تو نکاح کے بعد عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، الا یہ کہ مرد نے خود اس کو اختیار دیا ہو۔ لیکن اقوام متحدہ کے عالمی منشور میں نکاح کرنے کی آزادی کے ساتھ ساتھ فسخ نکاح میں بھی عورت اور مرد کو یکساں اختیارات حاصل ہیں۔ نکاح کو فسخ کرنے کے بارے میں مرد اور عورت کے حق کو برابر قرار دیا گیا ہے یہ بھی اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا اس لیے کہ اسلام مرد کو براہ راست طلاق کا جو حق دیتا ہے وہ عورت کو حاصل نہیں ہے اور انسانی حقوق میں مرد اور عورت کی مساوات کے نام پر یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ مرد کی طرح عورت کو طلاق کے برابر کا قانونی حق دے کر عورت اور مرد کے درمیان مساوات قائم کی جائے۔اسی طرح اسلام میں مرد وعورت نکاح کرنے،ازدواجی زندگی گزارنے اور نکاح فسخ کرنے کے سلسلے میں بھی یکساں حقوق نہیں رکھتے۔اگرچہ عورت کی رضامندی نکاح کی لازمی شرط ہے، مگر مسلم اہلِ علم کی ایک کثیر تعداد کے یہاں صرف عورت کی رضامندی سے اس کے ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح باطل قرار پاتا ہے۔اس موقف کے مطابق نکاح میں عورت اور اس کے ولی کی رضامندی دونوں لازمی ہیں۔ اس موقف کی تایید میں وہ حدیث مبارکہ پیش کی جاتی ہے جس میں ہے کہ: **لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ**۔[9] "ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔"اسلام میں عورت کے مساوی حق نکاح نہ رکھنے کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی عورت کے نکاح کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا نکاح کرو، یہ نہیں فرمایا کہ عورتیں اپنا نکاح کریں ۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ**۔[10] اور نکاح کرا دیا کرو تم لوگ ان کے جو تم میں سے بے نکاح ہوں۔اسی طرح ازدواجی زندگی میں مردوں کو قوام بنایا گیا ہے اور عورت کے لیے معروف کاموں میں شوہر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔مردوں کو دی گئی اس فوقیت کا ثبوت خطبہ حجۃ الوداع کے ان

---

[8] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر 16 ذیلی دفعہ الف۔

[9] ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ (بیروت، دار احیاء الکتب العربیہ، ت ن) 1: 605، **كِتَابُ النِّكَاحِ،بَابُ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ**، رقم الحدیث: 1880

[10] النور، 24: 32۔

الفاظ سے ملتا ہے، جب آپ ﷺ نے مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت (مجھ سے) لو اس لیے کہ وہ تمھارے پاس قیدی ہیں۔[11]

اسلام نے عورت کو طلاق کا حق نہیں دیا لیکن مطالبۂ طلاق کا حق دیا ہے، جسے خلع کہا جاتا ہے اور اس مطالبہ کو پورا کرنا صرف خاوند پر موقوف نہیں ہے بلکہ اگر عورت کا مطالبہ جائز ہے اور مطالبہ کے وجوہ درست ہیں تو خاوند کے علاوہ تحکیم اور قضا کی صورت میں عورت کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے متبادل راستے موجود ہیں، کیونکہ حکم اور قاضی عورت کا مطالبہ درست ہونے کی صورت میں خاوند کی مرضی کے بغیر بھی نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔ اس لیے اسلامی قانون کے بارے میں یہ تاثر درست نہیں ہے کہ اس میں عورت کو مکمل طور پر مرد کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے، البتہ یہ بات درست ہے کہ اسلام نے مرد کو براہ راست طلاق کا حق دیا ہے لیکن عورت کو یہ حق بالواسطہ دیا ہے، جو مرد اور عورت کی نفسیات میں واضح فرق کے باعث معقول اور منطقی ہونے کے ساتھ ساتھ خاندان کی بقا اور تحفظ کے لیے بھی ضروری ہے۔ اسی طرح فسخ نکاح میں بھی عورت اور مرد برابر حقوق نہیں رکھتے۔ مرد طلاق دیتا ہے جبکہ عورت خلع مانگتی ہے۔ مرد کے طلاق دینے میں عورت کی رضامندی شامل نہیں ہوتی۔ عورت خواہ چاہے یا نہ چاہے اسے طلاق ہو جاتی ہے۔ لیکن خلع لینے میں عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد کو راضی کرے اگر مرد راضی نہ ہو تو پھر عدالت سے رجوع کیا جاتا ہے اور عدالت جو فیصلہ کرتی ہے وہ دونوں کو قبول کرنا ہوتا ہے۔

اقوام متحدہ کے منشور میں عورتوں کی آزادی کا نعرہ تو زور وشور سے لگایا گیا ہے مگر ان کے حقوق کا تعین نہیں کیا گیا۔ یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ مردوں کے عورتوں پر اور عورتوں کے مردوں پر کیا حقوق ہیں؟ اس کے برعکس اسلام میں اس کی پوری تفصیلات ملتی ہیں۔ اسلام مرد اور عورت دونوں کے حقوق و فرائض کی بات کرتا ہے۔ جہاں عورتوں کو حقوق دیتا ہے وہی کچھ پابندیاں بھی لگاتا ہے۔ اسلام میں عورت کو وراثت کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن اقوام متحدہ کا عالمی منشور اس مسئلہ میں مکمل خاموش ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی عقل کا تیار کردہ قانون نا مکمل ہے، جب کہ الہامی قانون ہی درست ہے۔

آزادی اظہار رائے

اقوام متحدہ کے منشور میں مذکور ہے کہ ہر انسان کو آزادیِ فکر، آزادیِ ضمیر اور آزادیِ مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔[12] اسی طرح

---

[11] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، 1:594، کِتَابُ النِّکَاحِ، بَابُ حَقِّ الْمَرْاَةِ عَلَی الزَّوْجِ، رقم الحدیث: 1851۔

[12] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر 18

مذکورہ حقوق کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے کہ ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے ملکی سرحدوں کا خیال کیے بغیر علم اور خیالات کی تلاش کرے، انھیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔[13] اقوام متحدہ کے منشور میں مذہب کی آزادی اور عقیدہ رکھنے کی آزادی دی گئی ہے۔اسلام میں مذہب کی آزادی کا تصور یہ ہے کہ کسی شخص کو دین بدلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ**۔[14] دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔مگر جب کوئی شخص اسلام کے دائرے میں قدم رکھ لے تو پھر وہ اپنے من پسند عقائد رکھنے میں آزاد نہیں رہتااور نہ ہی اپنی مرضی کے مطابق اعمال انجام دے سکتا ہے۔اس کی پوری زندگی پھر اسلامی سانچے میں ڈھل جانی چاہیے۔اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد اسے چھوڑ دے اور کوئی دوسرا دین اختیار کر لے تو وہ مرتد کہلاتا ہے اور مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے، اور یہ سزا ریاست نافذ کر سکتی ہے۔ انفرادی طور پر کسی شخص کو یہ سزا نافذ کرنے کا حق نہیں ہے۔کیونکہ سوائے فساد فی الارض کے اب اس کا کوئی اور کردار نہیں ہو سکتا۔

دفعہ 19 میں آزادئ رائے کی بات کی گئی ہے اور اس کی بنیاد پر کہا جا رہا ہے کہ مذہب اور مذہبی شخصیات سے اختلاف اور ان پر تنقید بھی آزادیِ رائے کا حصہ ہے اور اس کو جرم قرار دے کر اس پر موت کی سزا مقرر کرنا، آزادیِ رائے اور آزادیِ ضمیر کے انسانی حق کے منافی ہے۔ یہ بات مغالطہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اختلاف رائے اور چیز ہے اور توہین اس سے بالکل مختلف چیز ہے۔ مسلمانوں نے علمی اختلاف کا جواب ہمیشہ علمی انداز سے دیا ہے۔ صدیوں سے مستشرقین اسلام ، قرآن اور نبی ﷺ کی شخصیت وکردار پر اعتراضات کر رہے ہیں اور مسلمان دانشور ان کے جوابات دے رہے ہیں۔ لیکن نبی ﷺ یا کسی بھی سچے رسول اور نبی کی توہین کو انھوں نے کبھی برداشت نہیں کیا اور نہ ہی آئندہ کبھی یہ بات برداشت ہو سکتی ہے۔ توہین رسالت کو جرم قرار دینے پر اعتراض در حقیقت توہین کو حقوق میں شامل کرنے کی بات ہے جو قطعی طور پر غیر معقول اور ناقابل قبول ہے۔دنیا کے ہر ملک میں "ہتک عزت" پر قانونی چارہ جوئی کا حق شہریوں کو حاصل ہے اور "ازالۂ حیثیت عرفی" سے شہریوں کو قانونی تحفظ دیا جاتا ہے۔ اگر کسی ملک کے ایک عام شہری کی ہتک عزت اور ازالۂ حیثیت عرفی جرم ہے تو حضرات انبیاء کرام کی ہتک عزت اور ازالۂ حیثیت عرفی اس سے کئی گنا زیادہ سنگین جرم ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ پیغمبر خدا ﷺ کے کروڑوں عقیدت مندوں کے دلی جذبات کی توہین بھی شامل ہو جاتی ہے۔

---

[13] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر 19۔

[14] البقرۃ 2: 256۔

آزادیٔ رائے کے حوالہ سے ایک اور بات بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کم و بیش ہر ملک میں اس کی نظریاتی اساس، اس کے دستور اور قومی شخصیات کی توہین کا کسی کو حق نہیں دیا جاتا۔ حتیٰ کہ قومی شعائر مثلاً پرچم وغیرہ کی حرمت کے قانونی تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ نیز فوج کی وردی، پولیس کی وردی اور ان کے Starsوغیرہ کو بھی قومی شعبوں کی علامات قرار دے کر ان کی توہین کو جرم سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام کے شعائر اور دینی علامات کی توہین بھی جرم ہے ۔مذکورہ دفعات میں عقائد و نظریات اور فکر کی ایک لامحدود آزادی کا تصور دیا گیا ہے۔آزادی فکر سے لامحالہ آزادی فعل بھی اخذ ہوتی ہے۔لامحدود آزادی کے اس تصور کے پیچھے مغرب کے سیاہ دور کا پس منظر ہے۔عیسائیت کی بے جا پابندیوں اور سیاسی،مذہبی اور معاشرتی زندگی پر پوپ کی اجارہ داری نے بالآخر انھیں مذہب سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل کرنے کی ترغیب دی ۔گویا کہ بے جا پابندیوں کا نتیجہ بالآخر بے جا آزادیوں کی صورت میں نکلا۔اقوام متحدہ کے منشور کی مذکورہ دفعات میں بھی انھی غیر فطری آزادیوں کا تصور دیا گیا ہے۔اسلام انسان کی فکر،ذہن،آرا اور اعمال کو مختلف اصولوں کا پابند کرتا ہے۔انسان کی فکر کا مثبت مسائل میں صرف ہونا ضروری ہے۔آرا کے اظہار کا حق تب تک درست مانا گیا ہے جب تک اس سے دین کو نقصان نہ پہنچے اور کسی کی دل آزاری نہ ہو۔اسلام میں اظہار رائے کا تصور اعلائے کلمۃ الحق کی صورت میں موجود ہے۔آں حضرت ﷺ نے فرمایا: **افْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ**-[15] خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے قرآنی تعلیمات کی پابندی کا حکم دیا جس واضح ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی قرآن وسنت کی پابندیوں میں جکڑی ہونی چاہیے نہ کہ ہوائے نفس کی آزاد پیروی میں گزرنی چاہیے۔

اقتدار میں عوام کی مرضی

اقوام متحدہ کے منشور میں مذکور ہے کہ ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔[16] عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہو گی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریق رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔[17] مذکورہ ذیلی دفعات میں عوام کی رائے کو مستند ترین رائے کی حیثیت دیتے ہوئے اسے اقتدار کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اس نظریے کی رو سے ایک عالم،ایک جاہل اور ایک مسلم وغیر مسلم دونوں کی آرا برابر صحت

[15] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، 2:1329، **كِتَابُ بَابُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ الْفِتَنِ**، رقم الحدیث 4011۔

[16] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر 21 ذیل دفعہ الف۔

[17] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر 21 ذیلی دفعہ ج۔

کی حامل قرار پاتی ہیں۔ جب کہ اسلام میں عالم اور جاہل، مسلم اور غیر مسلم کے درمیان فرق رکھا گیا ہے۔ اس طریقہ انتخاب کے ذریعے کوئی فاسق وفاجر شخص بھی مسلمانوں کا حکمران بن سکتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں خلافت کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو اور عوام کو سیدھے راستے پر رکھ سکے۔ حدیث میں ہے کہ اگر ایک سیاہ فام حبشی غلام بھی حاکم بنادیا جائے تو اس کی اطاعت تم پر لازم ہے۔[18] "بنا دیا جائے" کے لفظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام میں عوام وخواص کی رائے میں فرق ہے۔ اسلام میں ایسے قوانین کی کوئی گنجائش نہیں جو قرآن وسنت سے متصادم ہوں۔ قوانین کا اصل منبع اسلام میں قرآن وسنت ہی ہے۔ فقط ایک انسان کی رائے یا کروڑوں انسانوں کی رائے بھی اسلام میں قوانین کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

بچوں کے حقوق

اقوام متحدہ کے منشور میں مذکور ہے کہ زچّہ اور بچّہ خاص توجہ اور امداد کے حقدار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد معاشرتی تحفّظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔[19] اس شق میں زچہ اور بچہ کی امداد کے حوالہ سے بات کی گئی ہے اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ بچہ شادی کے نتیجے میں پیدا ہو یا بغیر شادی کے، دونوں صورتوں میں یکساں سلوک کا مستحق ہوگا۔ بچے کے بارے میں تو کوئی کلام نہیں ہے کہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے اور اس کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک درست طرز عمل نہیں ہے لیکن زچہ کے بارے میں دونوں صورتوں میں برابر کے سلوک کی بات سمجھ سے بالاتر ہے اور اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ بغیر شادی کے بچوں کی صورت میں بھی زچہ کو قانونی طور پر برابر کے سلوک کا حق دار قرار دیا جا رہا ہے، جب کہ اسلام ان دونوں صورتوں میں فرق کرتا ہے اور شادی کے بغیر بچے کو جنم دینے والی زچہ اور اس کے ساتھ ناجائز سلوک قائم کرنے والا مرد دونوں اسلام کی نظر میں مجرم ہیں اور ان کے لیے سزا مقرر ہے۔ اس سلسلے میں غامدیہ کا واقعہ حقیقت سے نقاب کشائی کرتا ہے۔[20] اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو تحفظ فراہم کیا ہے اور اس کے تحفظ کی حد تک اس کی ماں کو بھی سہولت دی ہے لیکن اس ماں کے جرم کو معاف نہیں کیا اور اسے سزا دی ہے اس لیے زچہ بچہ دونوں کے لیے یکساں معاشرتی تحفظ کی بات اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے لاوارث بچوں کی حفاظت

---

[18] ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، (بیروت، دار احیاء التراث العربی، ت ن) 944:2، **كِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ اسْتِحْبَابِ رَمْيِ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ رَاكِبًا، وَبَيَانِ قَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ**، رقم الحدیث: 1298۔

[19] اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور، دفعہ نمبر 25 ذیلی دفعہ ب۔

[20] دیکھیے: مالک بن انس بن مالک بن عامر، الموطأ (الإمارات: مؤسسة زايد بن سلطان، 1425ھ)۔ 1199، **كِتَابُ الرَّجْمِ وَالْحُدُودِ، مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ**، رقم الحدیث: 3039:5۔

کے لیے اسلامی ریاست میں باقاعدہ انتظام فرمایا تھا۔لاوارث لوگوں کا وارث اور ذمہ دار خلیفہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔

غیر اسلامی فنون کی اجازت

اقوام متحدہ کے منشور میں مذکور ہے کہ ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصّہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔[21]مذکورہ دفعہ میں ثقافتی زندگی سے مراد فنون لطیفہ یعنی مصوری، رقاصی اور موسیقی وغیرہ ہیں، جن میں سے زیادہ تر امور کی مسلم اہل علم کی ایک کثیر تعداد کے نزدیک اسلام میں ممانعت کی گئی ہے۔

انسانی حقوق کے اس منشور کی مختلف دفعات پر تبصرہ کرتے ہوئے صرف اس پہلو کو سامنے رکھا گیا ہے کہ ان اہم باتوں کی نشان دہی ہو جائے جو محققانہ رائے میں اسلامی تعلیمات کی رو سے محل نظر ہیں اور جنھیں من و عن قبول کرنا قرآن و سنت کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہوئے ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔

خلاصۂ بحث

اسلام میں مرد وعورت کے حقوق، بچوں کے حقوق، غلاموں کے حقوق، مسلم رعایا کے فرائض، لوگوں کے باہمی سلوک و تعلق وغیرہ کے حوالے سے اسلامی تعلیمات میں اقوام متحدہ کے منشور کی نسبت زیادہ جامعیت پائی جاتی ہے۔اقوام متحدہ کے منشور میں تصور مساوات کو واضح انداز میں پیش نہیں کیا گیا اور بے لگام آزادی کا تصور دیا گیا ہے۔اقوام متحدہ کا بنیادی انسانی حقوق کا منشور جو انسانوں ہی کے ہاتھوں بنایا گیا ہے،انسان کی صحیح راہنمائی نہیں کرتا بلکہ اس میں غیر فطری مساوات وآزادی کا جو تصور دیا گیا ہے،اس کا کسی معاشرے میں رواج پا جانا جلد یا بدیر اس معاشرے کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔اسلامی تعلیمات اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کے مطالعے کے بعد عالم اسلام کے محققین، دانشور، علما اور سکالرز حضرات مغرب کے حقوق سے متعلق دساتیر اور مناشیر کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات بالخصوص خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کریں تاکہ انسانی حقوق کا صحیح معنی میں تحفظ کیا جاسکے اور انسانیت مجتمع ہو کر انسانی حقوق کی پاس داری کر سکے۔

---

[21]اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور، دفعہ نمبر 27 ذیلی دفعہ الف۔